امریکہ بدرکرنے والے ایرانی اسلامی انقلاب کو تقریباً چار دہائیاں ہو رہی ہیں لیکن اونٹ ابھی تک صحیح کروٹ نہیں بیٹھ سکا۔ جنوب اور وسط ایشیا پر اپنے گہرے معاشی اور عسکری تسلط کا امریکی خواب اس عرصہ میں رک رک کر انگڑائیاں لیتا رہا ہے جس میں بیرونی دخل اندازی اور اندرونی خلفشار ، عدم توازن کے ذریعہ اپنے مقاصد کے حصول کی حکمت عملی کو کامیاب کرنے کی ہر ممکنہ کوشش شامل ہے۔ حالات جلد یا بدیر کیا رُخ اختیار کریں گے یہ کہنا شاید قبل ازوقت ہو لیکن زمینی حقائق اور نوشتۂ دیوار پڑھنے کی صلاحیت رکھنے والا ہر فرد یہ بات جانتا ہے کہ ہر دو جانب ممکنات کی موجودگی کے باوجود امریکہ مشیت الٰہی اور اپنے اعمال بد کے نتیجہ میں اس وقت جس طرح عراق میں دھنس چکا ہے اس دلدل سے نکلے بغیر ایک نئے بیرونی محاذ کا کھولنا زہرکھانے کے بعد امپائر اسٹیٹ بلڈنگ سے چھلانگ لگانے کے مترادف ہو گا۔

مسئلہ کا الجھاؤ اتنا بڑھ چکا ہے کہ عجلت میں کوئی یکطرفہ اقدام اس کا حل نہیں ہو سکتا۔ اس تناظر میں ایران کے جوہری توانائی کے پروگرام نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے اور امریکہ کے نفسیاتی اختلال میں گراں قدر اضافہ کا باعث بنا ہے۔ وقت کی ایک نام نہاد یک قطبی طاقت جو بدمست ہاتھی کی طرح قوت کے نشہ میں گرفتار ہو، یہ کس طرح برداشت کر سکتی ہے کہ ایک غیر ترقی یافتہ ملک جوہری توانائی کے کلب میں داخلہ کی ہمت کرے۔ لازماً یہ ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ لیکن حالات کا نقشہ کچھ ایسا ہے کہ ایران سے اپنی تمام تر نفرت کے باوجود امریکہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہا ہے۔ گذشتہ ۵ سال اس لحاظ سے امریکہ اور یورپی قوتوں کے لیے سخت امتحان آزما ثابت ہوئے ہیں گو امریکی اثرات کے تحت برطانیہ نے غیر مشروط طور پر عراق میں امریکی جارحیت کا ساتھ دیا لیکن خود امریکہ اور برطانیہ میں اندرون ملک جو ردعمل ہوا دونوں ممالک کے رہنماؤں کے تصور سے بہت مختلف تھا۔ لاکھوں افراد نے اپنی حب الوطنی کے باوجود اپنے ملک کے سربراہوں کو عوامی تنقید کا نشانہ بنایا اور دونوں کو بڑی حد تک مدافعانہ نفسیات میں مبتلا کر دیا۔ امریکی صدر نے اس عرصہ میں جس فیاضی کے ساتھ کانگریس جیسے نام نہاد جمہوری ادارے کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے دور اقتدار میں ایک آمر کی طرح تنہا اپنی رائے مسلط کرتے ہوئے تقریباً ۔۔۔ مرتبہ ویٹو کا حق استعمال کیا وہ امریکہ کی سیاسی اور جمہوری تاریخ میں گینز بک آف ریکارڈز میں درج ہونے کے قابل واقعہ ہے۔ نتیجتاً امریکہ میں بش کی مقبولیت کا زوال جس تیزی سے ہوا وہ ہر آمر کے لیے باعث عبرت ہے۔ اس عرصہ میں فوجی اخراجات میں اضافہ ایک عام امریکی کے تحفظ اور خود امریکہ میں شہری حقوق کی پامالی بھی اپنی آخری حد تک پہنچ گئی ۔ دہشت گردی کے خودساختہ دیو کی ہیبت کو بش نے نہ صرف اپنے اوپر بلکہ پوری قوم پر اس طرح مسلط کر دیا کہ اب اسے واپس بوتل میں بند کرنا تقریباً ناممکن نظر آ رہا ہے۔ عراق اورافغانستان میں القاعدہ کو ایسا مقام عظمت دینا کہ نام نہاد یک قطبی طاقت اس کے خطرات کے تصور سے ہی لرزہ براندام رہے خود صدربش کی حکمت عملی کا ایک منطقی نتیجہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح اس کے سرکردہ افراد کو ہیرو بنانے میں امریکی صدر کا بنیادی کردار کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

امریکی خارجہ پالیسی پہلے بھی بہت کم اقوام کو اپنا دوست بنانے میں کامیاب ہوئی تھی لیکن گذشتہ ۵ سال کے عرصہ میں اس کے نتیجہ میں اس نے جتنے دشمن پیدا کیے ہیں اس کی مثال اس سے پہلے کوئی نہیں ملتی۔ رخصت ہونے والے برطانوی وزیراعظم سے ذاتی تعلق اور دوستی کی بناء پر امریکی صدر کو جو حمایت ملی اس کا عشر عشیر بھی وہ برطانوی عوام سے حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ اس پورے عرصہ میں بش کے تاریک دور کے دوران یکے بعد دیگرے امریکہ پر بیرونی حملے اور دہشت گردی کے خوف کی حکمت عملی کو بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا گیا اور اپنی ہر حماقت آمیز پالیسی کو خودساختہ اور خود طاری کردہ خوف اور خطرہ کی بناء پر جائز بلکہ ضروری بنا کر پیش کیا گیا۔ وہ یہ بھول گئے کہ عالمی شعور کو مختصر عرصے کے لیے تو دھوکہ میں ڈالا جا سکتا ہے لیکن مستقلاً گمراہ نہیں کیا جا سکتا۔

ایران پر امریکہ کے ممکنہ حملہ کے حوالے سے آج تک جو ردعمل سامنے آیا ہے وہ امریکی توقعات اور خواہشات کے بالکل برعکس ہے۔ یورپ کے کسی بھی ملک نے اس کی کھل کر حمایت کی حماقت نہیں کی بلکہ بعض ممالک نے اپنے تحفظات کو چھپا کر نہیں رکھا۔ بعض یورپی ممالک کے خیال میں یہ ایک خطرہ ضرور ہے اور اس بناء پر یہ ممالک ایران ہی کو نہیں کسی بھی غیر یورپی ملک کو ایٹمی طاقت بنتے دیکھنا نہیں چاہتے۔

ایران پر ممکنہ حملہ میں یوں تو بہت سے عناصر پر غور کیے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی لیکن بنیادی طور پر ایران کی تیل کی برآمد جو یورپی اقوام کے لیے ہی نہیں خود ایران کی معیشت کے لیے اہمیت رکھتی ہے ایک ایسا پہلو ہے جو امریکی یا اسرائیلی جارحیت کے لیے نرم نوالہ نہیں بن سکتا۔ گو تیل کی برآمد کی بندش سے نہ صرف یورپ بلکہ خود ایران کے لیے بھی مشکلات پیدا ہوں گی لیکن بحر ہرمز کی تیل کی شاہراہ کی بندش ایران کے ساتھ دیگر ممالک کے لیے کہیں زیادہ مشکلات کا باعث بن سکتی ہے۔ ایسے ہی ایران کے ایٹمی تنصیبات پر اسرائیلی یا امریکی حملہ کے نتیجہ میں نہ صرف خطہ کا امن بلکہ خود اسرائیل کا وجود خطرہ میں پڑسکتا ہے جو اتنا بڑا جُوا ہے کہ امریکہ بھی اسے کھیلنے سے پہلے سو مرتبہ سوچنے پر آمادہ ہو گا۔

ان حالات میں ایران کی حکمت عملی ٹکراؤ کی ہو یا معاملات کو موخر کرنے کی، ایران امریکہ کے ساتھ زبانی جنگ کرتا رہے یا

باقاعدہ عسکری کار روائی پر غورکرے،ہمارے خیال میں یہ فیصلہ جس طرح امریکہ کے لیے تقریباً ناممکن ہے ایسے ہی ایران کے لیے بھی آسان نہیں ہے۔ عقل بھی مطالبہ کرتی ہے کہ ایران مستقل مزاجی اور صبر کے ساتھ اپنے ایٹمی پروگرام کو جاری رکھے لیکن ٹکراؤ کو جتنا ممکن ہو □ُور رکھنے کی کوشش کرے تاکہ خطہ کے امن میں خلل نہ پڑے۔

اصولی طور پر ایران ہی نہیں کسی بھی ترقی پذیر ملک کو توانائی کی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دفاع کو مستحکم بنانے کے لیے ایٹمی تحقیق کا اختیار ہونا چاہیے۔ یہ خیال کہ ہر سفید رنگت والا یورپی باشعور،معتدل،روشن خیال اور ذمہ دار ہوتا ہے جبکہ یہ سیاہ فام یا غیر یورپی ذمہ دارانہ رویہ سے پیدائشی طور پر محروم ہوتا ہے سوفیصد طور پر ایک سامراجی فکر کی غمازی کرتا ہے اور اتفاق کچھ ایسا ہے کہ نہ صرف یورپی سامراجی ذہن بلکہ سامراجی نظام تعلیم میں تربیت پانے والے ترقی پذیر ممالک کے دانشور بھی ذہناً یہی تصور رکھتے ہیں کہ مغربی انسان زیادہ تحمل وذمہ داری کا اہل ہے جبکہ ایشیائی اور افریقی النسل افراد جذباتیت اور شعور کی ناپختگی کی بناء پر بغیر نتائج پر غور کیے ایک غیر ذمہ دارانہ اقدام کر سکتے ہیں گویا ان کے خیال میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی حملہ کا شوق کوریا میں جنگ،عراق پر دوحملے،بوسنیا ہرزیگو وینا میں نسل کشی کی شکل میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے والے امریکی اور یورپی نسل کے افراد اصلاً ''وہابی'' یا ''طالبان'' کے تربیت یافتہ یا ''القاعدہ'' کی شوریٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بناء پر ایک جذباتی غیر ذمہ دارانہ فعل اور حقوق انسانی کو پامال کرتے ہوئے لاکھوں افراد کا خون کر بیٹھے۔ دورجدید کی تاریخ تو یہی بتاتی ہے کہ جتنی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ یورپی اقوام اور امریکہ نے کیا ہے بے چارے ایشیائی اور افریقی اقوام اس کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

خطہ کے امن کے حوالے سے اپنی عالمی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے یورپ اور امریکہ کو ایران کی تنصیبات پر کسی حملے کے ارادہ سے باز رہنا ہو گا ۔ ورنہ نہ صرف خطہ میں بلکہ عالمی طورپر انسانیت کو شدید صدمات پیش ہ سکتے ہیں۔

امریکہ اورایران کے ہمسایہ ممالک کو بھی اپنی ذمہ داری کو محسو ہ کرتے ہوئے اپنے رویہ پر غور کرنا ہو گا۔ چین ،ہندوستان اور پاکستان وافغانستان میں سے کسی بھی ملک سے ایران کو جارحانہ خطرہ درپیش نہیں ہے لیکن اسرائیل کے بڑھتے ہوئے عزائم اور القدس کے حوالے سے ایران اور اسرائیل کی تلخ کلامی کے باوجود اس مرحلہ میں دونوں ممالک کے لیے جنگ یا خصوصی اہداف پر حملہ عقل کے منافی ہو گا۔ ہمسایہ ممالک کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ وہ ٹکراؤ کے خطرہ کو زیادہ سے زیادہ دور کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ عالمی ایٹمی نگرانی کے ادارے کو بھی اپنے فرائض کو ادا کرتے ہوئے امریکہ پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ وہ مزید کسی غیر ذمہ داری کا ارتکاب نہ کرے۔

کیا ایٹمی کلب میں شمولیت اور اہلیت کے بعد ایران اپنے ہوش وحواس میں رہے گا یا طاقت کے زعم میں پڑوسی ممالک کو اپنا زیرنگین بنانا چاہے گا؟ یہ اوراس قسم کے وہ سوالات جو یورپی تحقیقی ادارے اٹھاتے رہتے ہیں لازمی طور پر قابل غور مفروضوں کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن عالمگیریت کے اس دور میں اس قسم کے یکطرفہ فیصلے مشکل سے مشکل تر بنتے جا رہے ہیں۔ گوہم شدت سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ایران کو ایٹمی قوت بننے کی آزادی حاصل ہونی چاہیے نہ صرف یہ بلکہ خطہ کے امن کے لیے ایران کے پاس ایٹمی قوت کا ہونا مفید اور مددگار بھی ہو سکتا ہے اور کم ازکم اسرائیلی جارحیت کے خطرہ کو مؤخرکرنے کا باعث بن سکتا ہے۔

اخلاقی وعظ وتلقین کی اہمیت اپنی جگہ لیکن آج طاقت کے توازن کے تناظر میں وہ اقوام جو قوت سے محروم ہوں صرف دوسروں کے رحم ہ کرم اور ان ظالم ممالک کے مفادات کے تحفظ کے سہارے ہی زندہ رہ سکتی ہیں۔ اس لیے ایٹمی قوت کا حصول ایک ایسا انسانی حق ہے جس سے ایران کو محروم نہیں ہونا چاہیے۔ امریکہ اور اسرائیل کو بادل ناخواستہ عقل کے فیصلے کو گوارا کرنا چاہیے اور شتر بے مہار بننے کی جگہ اس ذمہ داری کا مظاہرہ کرنا چاہیے جس پر دلنشین خطبات اور وعظ یورپی نفسیات کی پہچان بن چکے ہیں۔

عالم اسلام کو اپنے مسلکی تعصبات سے بلند ہوکر اصل مسئلہ پر غور کرنا چاہیے جس کی بنیاد پر وہ اپنے دشمن کو امت مسلمہ کو منتشر،متزلزل اور غیر مستحکم بنانے کے مواقع فراہم کرتے رہے ہیں۔ آج بھی عراق میں شیعہ سنی تفریق کو ہوا دینے والا کوئی مسلمان نہیں ہے بلکہ واضح طورپر مسلمانوں کا ایک دشمن ملک ہے۔ دشمن کی حکمت عملی واضح طورپر یہی ہے کہ نہ صرف عراق میں بلکہ جہاں کہیں بھی اس قسم کی تفریق کو ہوا دے کر یا شعوری طور پر پیدا کرنے کے بعد وہ اپنا الُو سیدھا کرسکتا ہو اس میں تاخیر نہ کرے۔ چنانچہ اس کے مستقبل کے عزائم میں یہ بات شامل ہے کہ یہ فتنہ عراق سے نکل کر لبنان،شام ،سعودی عرب،کویت،بحرین اور پاکستان میں بھی ابھرے تاکہ اندرونی عدم استحکام ،بے اعتمادی،شبہ اور خوف کی فضا کو پیدا کرنے کے بعد ان ممالک میں مزید بندربانٹ کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے وہ امن عالم کے بیوپاری کی حیثیت سے ان ممالک کو زیر نگین کر کے اپنے مفادات کے لیے استعمال کرسکے۔ مغرب اور اسلام کے درمیان صلیبی جنگوں سے آج تک جو آویزش رہی ہے اسے نظرانداز کیے بغیر مستقبل کی حکمت عملی وضع کرنا ایک لایعنی کام ہو گا۔ امت مسلمہ کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے مغربی سامراجی ذہن کے سانچے سے نکل کر معروضی طورپر زمینی حقائق کے پیش نظر ایک آزادانہ حکمت عملی اختیار کرنی ہو گی یہ تصور کہ جب تک امریکہ کو خوش نہ کیا جائے مسلم ممالک محفوظ نہیں رہ سکتے ایک مشرکانہ تصور ہے اور شرک کا ارتکاب،ایک فرد اور قوم کو اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم اور نصرت سے نہ صرف محروم کرتا ہے بلکہ اس کے غضب کو بھی دعوت دیتا ہے۔ مسلم دانش وروں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کو پیش آنے والے خطرات سے آگاہ

ایران اور خطہ میں امن کا مستقبل

کرتےہوئےمزید وقت ضائع کیےبغیر ایک مشترکہ حکمت عملی وضع کرنےمیںاپنا کردار ادا کریںاور مغرب کی اندھی پیروی اور اس کےمفادا ت کےتحفظ کےلیےاپنےتشخص وآزادی اور قومی ضروریات کو قربان کرنےکےظالمانہ عمل سےخود کو نکال کر ایک نئےعالمی اخلاقی نظام کےقیام کی طرف پیش قدمی کریں۔
اکیسویںصدی کا مسئلہ بظاہر جوہری توانائی،دخل اندازی کےذریعہ حکومتوںکی تبدیلی (change Regime (ہو یا نام نہاد دہشت گردی کےخلاف ’’جہاد‘‘،درحقیقت ایک اخلاقی مسئلہ ہے۔ سرمایہ دارانہ اور جابرانہ نظام کےعلمبردار ممالک اور اقوام نےاپنےمفادات کےپیش نظر محکوم اقوام کےحقوق کےاستحصال،وسائل پر قبضےاور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کےذریعہ نہ صرف سامراجی غلامی کےدور میںبلکہ سیاسی آزادیوںکےبعد بھی ان ترقی پذیر ممالک پر معاشی اور سیاسی سامراجیت باقی رکھی۔ ان کےغیراخلاقی رویہ کےنتیجہ میںمعاشرہ میںانتشار اور ردعمل کےطور پر تخریب کاری کو پیدا ہونا چاہیےتھا۔ نہ صرف یہ بلکہ NWO نئےعالمی نظام (زیادہ صحیح طورپر عالمی بگاڑ) کےنام پر دنیا میںتیل کےذخائر اور ایشیا اور افریقہ کےممالک پر اپنی مرضی کےاطاعت گذار سربراہان کو تمام جیوری اصولوںکو پامال کرتےہوئےمسلط کرنےکےعمل کا نتیجہ یہی ہونا چاہیےتھا کہ مظلوم ممالک کےعوام بیرونی قوتوںخصوصاً امریکی انتظامیہ کو اپنا دشمن جانیں۔ اس عالمی نفسیاتی حقیقت کی موجودگی میںایران کا امریکہ کی انتظامیہ سےتعاون نہ کرنا نہ صرف ایرانی عوام کی خواہشات بلکہ عالمی طورپر تمام مظلوم عوام کی خواہش کا اظہار اور علامت معلوم ہوتا ہے۔
یہ بھی ایک حقیقت ہےکہ عالمی سیاست میںگروہ بندی کبھی مستقلاً نہیںہوا کرتی اور اقوام وممالک اپنےحقیقی مفادات کےپیش نظر اپنی حکمت عملی پر نظرثانی کرتی رہتی ہیں۔ اسی بنا پر ایران کی افغان پالیسی کو امریکہ کےساتھ تعاون کی پالیسی بھی کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ طالبان کےزوال میںایران نےامریکہ کی حکمت عملی کی مخالفت نہیںکی۔ اسی طرح عراق میںشیعہ سنی ٹکراؤ میںجہاںامریکہ نےاسےاپنےمفاد کےلیےاستعمال کیا اور مزید استعمال کرنےکی تگ ودو میںلگا ہوا ہےبالکل اسی طرح ایران نےاپنےمفادات کےپیش نظر عراق اور لبنان میںشیعہ ملیشیا کےاقدامات کو ناپسند نہیںکیا۔
ہماری نگاہ میںاصل اور بنیادی مسئلہ ان مفادات کی سیاست سےنکل کر عدل اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کےاخلاقی اصولوںکی بنیا د پر ایک نئےعالمی اخلاقی نظام کےذریعہ منافرت،حقوق کی پامالی اور جمہوریت کی برآمد کےنام پر آمریتوںاور فوجی حکمرانوںکو مظلوم عوام پر مسلط کروادینےکی یک قطبی حکمت عملی کی جگہ اخلاقی انقلاب کی ضرورت ہے۔ یہ اخلاقی انقلاب ہی اسلام کا اصل مقصد تھا جس کےنتیجہ میںمعیشت ہو یا معاشرت،ادب ہویا سیاست یا بین الاقوامی معاملات،ہر شعبہ میںحقوق اللہ اور حقوق العباد کو عدل اور جواب دہی کےاحساس کےساتھ نافذ کرنا مقصود تھا۔
امریکہ اور مغرب کی توجہ کا عراق سےایران کی طرف منتقل ہونا عراق میںناکامی کےاعلان کےساتھ ساتھ پورےعالم اسلام کےلیےایک خطرہ کی گھنٹی کا بجانا ہے۔ اب عالم اسلام کےپاس اس کےسوا کوئی اور چارہ نہیںہےکہ وہ امریکہ کی نام نہاد ’’دوستی‘‘ سےنکلنےکےلیےایک قابل عمل حکمت عملی وضع کرےاور طویل المیعاد مفادات کےپیش نظر قلیل المیعاد فوائد کو قربان کرنےکی ہمت کرے۔ امریکہ دوستی کا بھرم جس طرح عراق اور افغانستان کےسانحوںنےکھولا ہےاس کےبعد بھی اگر کوئی عقل کا اندھا اسےاپنا دوست سمجھےگا تو اس کا انجام بھی کچھ مختلف نہ ہو گا۔
؂ ہوئےتم دوست جس کےدشمن اس کا آسماںکیوںہو

3 / 3